قدیم متون میں علامات و رموزِ تحریر کی قرأت کے مسائل

ڈاکٹر شفیق انجم، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

Abstract

It is hard to understand the old Signs and Symbols of Classical Urdu Writings. Research Scholars who associated with old manuscript are seriously affected by this hurdle. Actually many of these signs are out of fashion and not used in current written langue. In this article is tried to discuss the basic problems and issues about this subject. Here also tried to mention the solutions.

قدیم متون کی تدوین میں رسم الخط کے حوالے سے جو مسائل درپیش ہوتے ہیں ان میں حروف کی کامل اور اصلی صورتوں کی تفہیم کے ساتھ ساتھ حروف، اعداد، اوزان، القابات اور اشارات کی اختصاری اشکال اور دیگر رموزِ تحریر کی شناخت کے مسائل بھی نمایاں ہیں۔ زبان اور اس کی تحریری علامتوں کے ارتقاء وتغیر پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ زبانیں اپنے سیاسی، سماجی اور ثقافتی تناظرات میں کمال و زوال سے آشنا ہوتی رہتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ کسی عہد میں زبان کے تحریری معیارات اور متفق علیہ پیمانے آئندہ ادوار میں بھی رائج، قابل تقلید اور مستند و مسلم رہیں۔ زبانوں میں لفظ و معنی اور صورت و ساخت کے استناد کا معاملہ متعلقہ ومتعینہ عہد کے حوالے ہی سے اہم ہے۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے رسم الخط کوئی طے شدہ اور جامد دستورالعمل نہیں بلکہ تغیر پذیر اور حرکی خصوصیات رکھنے والا نظام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسم الخط میں نشانات و علامات اور رموز کی قدامت و جدت، بنیاد وتوسیع اور تشکیل و معیار کی بحث ایک لازمی و جاری عمل ہے۔ قدیم متون کی تدوین میں حقیقی متن و معانی تک رسائی کے لیے یہ بحث بنیادی حیثیت کر لیتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ متعلقہ متن کی تبدیل شدہ یا متروک علامتوں، اختصارات اور رموز کی قرأت وتفہیم ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے آتی ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں اُردو کے حوالے سے اس مسئلے کی مختلف صورتوں پر بحث کی گئی ہے۔

یہ ایک تاریخی ولسانی حقیقت ہے کہ اردو کی بلوغت وپختگی کے مراحل عربی و فارسی کے زیرِ سایہ طے ہوئے۔ گفتگو کی زبان سے اعلیٰ علمی، ادبی اور سیاسی، سماجی اظہارات کے قابل بننے کے دورانیے میں عربی اور فارسی زبانیں ہر حوالے سے اُردو کے لیے مثال بنی رہیں۔ عربی و فارسی سے اظہار و ابلاغ اور بیان کے وسیلوں میں مدد لینے کے ساتھ وسائل تحریر بھی مستعار لیے گئے۔ اُردو کی تحریر وکتابت کے ابتدائی دور میں ان وسائل تحریر ہی کی بنیاد پر متون خلق ہوئے۔ تدوینی مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان متون کو دو واضح زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ۱۔ قلمی/ کتابت شدہ متون، ۲۔ مطبوعہ متون۔ ہر دو میں تحریر کی قرأت

وتفہیم میں جوعمومی مسائل درپیش ہوتے ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر ذیل میں پیش ہے:

۱۔ اُردو کے قدیم متون کی قرأت میں رسم الخط کے حوالے سے ایک اہم اور بنیادی مسئلہ حروف کی تشکیلی صورتوں سے متعلق ہے۔(۱) عربی اور فارسی سے من وعن مستعار لیے گئے حروف کی قرأت تو دقت طلب نہیں ہوتی لیکن مقامی طور پر بنائے گئے حروف ارتقاء کی مختلف منزلوں سے گزرتے رہے ہیں۔کس زمانے میں ان کی کیا شکل تھی، یہ جانے بغیر قرأت ممکن نہیں ہوتی۔

۲۔ اُردو کے مختلف تحریری خط (فونٹ سٹائلز) میں حروف کی شکل اور دوسرے حروف سے جڑت کا معیار بدل جاتا ہے۔اُردو کے قدیم متون کی تدوین میں خط کا تعین اور اس کی خصوصیات سے آگاہی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔بعض معروف خطوط مثلاً نسخ اور نستعلیق (جو فی زمانہ بھی رائج ہیں) کی پہچان میں تو زیادہ مشکل پیش نہیں آتی لیکن خط شکستہ، دیوانی، ثلث اور دیگر الحاقی خطوط میں لکھے گئے متون کی قرأت متعلقہ خط سے شناسائی کے بغیر مجہول ولایعنی ہو جاتی ہے۔

۳۔ قلمی/ کتابت شدہ متون میں کاتب کے خطی امتیازات کو سمجھنا اور حروف کی لکھت و جڑت میں اس کے شخصی عمل دخل اور مزاج کو مدنظر رکھنا ایک اہم معاملہ ہے۔ساتھ ہی ساتھ اصل اور سہو میں فرق کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۴۔ قدیم مطبوعہ متون میں چھاپے کے نقائص بھی کسی خط یا اس سے متعلق حروف کی صورتوں میں خلل پیدا کر دیتے تھے۔ اس خلل کی اصلیت کو سمجھے بغیر قرأت وتفہیم میں حتمیت کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔

ان مسائل میں سے ہر ایک کی اپنی تفاصیل اور جزئیات ہیں جن پر اصول تدوین کی کتب میں بالصراحت اندراجات ملتے ہیں۔(۲) زیرِ نظر مقالے میں درج بالا مسائل سے ہٹ کر کچھ مسائل پر بحث مقصود ہے جن میں سنین کی قرأت، رقوم کی قرأت، اوزان کی قرأت، اشارات ومخففات کی قرأت، علاماتِ اوقاف کی قرأت، رموزِ اعرابی کی قرأت وغیرہ شامل ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ تدوین میں رسم الخط کی الجھنوں اور املائی نظام کی باریکیوں کو تو کسی نہ کسی طرح حل کر لیا جاتا ہے لیکن مذکورہ بالا مسائل کام کی تکمیل میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ یوں ایک بڑی مشقت چند اندراجات کی عدم تفہیم کی وجہ سے انجام تک نہیں پہنچ پاتی۔ضروری ہے کہ اس حوالے سے مسائل کی نوعیت کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے حل کی صورتوں کو زیر بحث لایا جائے۔

برصغیر میں اُردو کے فروغ وارتقاء کو دیکھا جائے تو مسلم حکمرانی کے ادوار میں اردو تقریر وتحریر میں عربی سے استفادے کی شعوری کوششوں کا سراغ ملتا ہے۔ دیگر امور کے ساتھ ساتھ اردو تحریروں میں سنین، رقوم، اوزان اور اختصارات وغیرہ کا اندراج بھی عربی طریق پر کیا گیا۔ایک زمانے تک یہ طریق رائج اور مستعمل رہا لیکن انگریزوں کی آمد کے بعد جب برصغیر کے سیاسی منظرنامے میں تبدیلی آئی تو یہ طریق بھی رفتہ رفتہ متروک ہوتا چلا گیا۔بعد میں بتدریج اس کی جگہ انگریزی رموزِ تحریر نے لے لی۔قدیم اردو متون کی تدوین میں عربی علامات واوقاف کی تفہیم میں مسائل اسی تغیر اور عدم استعمال کی بدولت پیش آتے ہیں۔ذیل کی تفاصیل اسی ضمن میں ہیں:

۱۔ قدیم اُردو متون میں سنین کئی طریقوں پر لکھے ہوئے ملتے ہیں تاہم عربی ہندسوں میں لکھنا معروف ہے۔عام طور ان سنین کو پڑھنا مشکل نہیں ہوتا کہ فی زمانہ بھی کسی قدر ان کا استعمال ہے۔مسئلہ اس وقت پیش آتا ہے جب نسخہ قلمی

ہواور خط مجہول۔ایسی صورت میں متن میں دیے گئے سنین کے ہندسوں میں اشتباہ اور التباس لازم ہے۔خصوصاً ۲ کا ۳ سے، ۹ کا ۱ سے، ۵ کا صفر سے،۴ کا ۲ سے التباس عام مشاہدے کی بات ہے۔شوشے نامکمل رہ جانا یا ایک ہندسے کا دوسرے ہندسے سے مل جانا دقت پیدا کرتا ہے۔/ دوسری صورت سنین کے اندارج کی حرفی ہے مثلاً ایک ہزار دو صد بارہ ہجری۔شعری متون میں عام طور پر یہ اندراج ملتا ہے اور شعری ضرورتوں کے مطابق اس کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ایک مثال ملاحظہ ہو:

ایک تیس برس ایک بارہ سو　　　　ہجرت سیں ہوئے تھے نو (۱۱۳۹ھ)

اس قسم کے اندراج کی پڑھت میں مدون کو غیر معمولی توجہ اور ہنرمندی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔بصورت دیگر نتائج میں سقم یقینی ہوتا ہے۔/ سنین کے اندراج کی ایک اور صورت کسی لفظ یا مرکب یا مصرع و شعر کے ذریعے اظہار ہے۔ اصطلاح میں اس قسم کے اندراج کو مادہ تاریخ کہا جاتا ہے۔ یہ تاریخ گوئی ہر قسم کی تواریخ و سنین کے لیے رائج رہی ہے مثلاً تواریخ پیدائش و وفات، تواریخ تصنیف و اشاعت، تواریخ جنگ و صلح اور تواریخ فتح و ہزیمت وغیرہ۔سنین کے اس قسم کے اندراج کی پڑھت میں مدون کی تاریخ گوئی کے فن سے شناسائی ضروری ہوتی ہے ساتھ ہی ساتھ علم الاعداد پر دسترس اور متعلقہ رموز سے واقفیت لازمی ہے۔

۲۔　رقوم کا اندراج قدیم متون میں مسلسل ملتا ہے اور عام طور پر اس کی صورت ہندسی کے بجائے حرفی ہے۔رقوم کو عربی حروف میں اگر مکمل لکھا جائے تو شاید عربی سے ایک عام شد بد رکھنے والا شخص بھی اس کی قرأت بآسانی کر سکتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ رقوم کا عربی حرفی اندراج مسلسل استعمال کی بدولت عجم میں رفتہ رفتہ ایک نئی اختصاری صورت اختیار کر گیا۔اس اختصاری رمزیے کی پڑھت حسابی منشیوں اور متعلقہ دفتری اہلکاروں کے ساتھ عام عوام کے لیے بھی ایک زمانے میں مانوس تھی لیکن فی زمانہ متروک ہو جانے کی وجہ سے دقت طلب ہے۔مثلاً عربی عدد اربعہ کا اختصاری رمزیہ (للعہ/)، ثمانیہ کا (معہ/)، تسعہ کا (لعہ/) وغیرہ۔اسی طرح دہائی، سینکڑہ اور ہزار کے لیے اختصاری رمزے یا تحریری علامتیں متعین تھیں جو اب کمپوز کاری میں نہیں آتیں اور عام کتابت میں بھی مستعمل نہیں۔ساتھ ہی ساتھ حساب کتاب میں پیسہ و آنہ کے رموز بھی جداگانہ ہیں۔(۳) قدیم متون میں ان اندراجات کی پڑھت آج کے محقق و مدون کے لیے ایک بڑا اور توجہ طلب مسئلہ ہے۔مصیبت یہ کہ قلمی لکھت میں ان علامات کی اشکال کاتب کے تصرف کا بھی شکار ہوتی ہیں۔نتیجتاً معیاری اور تحریفی صورت میں تال میل کا مسئلہ مشکل پر مشکل بن جاتا ہے۔

۳۔　اوزان کے اندراج کا طریقہ بھی قدیم متون میں عربی کے زیر اثر ہے اور رقوم کی طرح اس ضمن میں بھی اختصارات متعین تھے۔ چھٹانک، پاؤ، سیر اور دیگر متعلقہ اوزان کی قرأت طے شدہ اختصارات سے شناسائی کے بغیر آج کے محقق کے لیے ممکن نہیں۔ فی زمانہ یہ رمزیے کمپوز کاری میں نہیں آتے اس لیے مشینی کتابت میں ان کی مثالیں بھی نہیں دی جا سکتیں۔(۴) بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ان علامات میں سے بعض میں مماثلت ہے۔یہ مماثلت قلمی متون میں التباس و اشتباہ کا باعث بنتی ہے اور یقینی طور پر قرأت کو مجہول بنا دیتی ہے۔

۴۔　قدیم متون میں بعض اشارات و مخففات کی قرأت بھی ایک اہم نکتہ ہے۔ان مخففات میں سے کچھ ایسے ہیں جو قدیم

میں رائج اور معیاری تھے تاہم بعض متون میں تحریر کی نوعیت کے مطابق اختصارات کا تعین ملتا ہے۔ اول الذکر کی قرأت متعلقہ علامات سے شناسائی کے بعد ممکن ہو جاتی ہے تاہم ثانی الذکر میں متن کا سیاق وسباق اور خود مصنف یا کاتب کی تصریحات قرأت میں معاون بنتی ہیں اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو پھر قیاس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔معروف اشارات و مخففات میں ''قف'' کی علامت وقفہ یا ٹھہراؤ کے لیے، ''ف'' کی علامت فائدہ یا نوٹ کے لیے، ''رک'' کی علامت ماخذ کے حوالے کے لیے، ''ع'' کی علامت عشرِ متن کے لیے، ''کذا'' کی علامت کذا فی الاصل کے لیے، ''قب'' کی علامت متعلق حوالہ کے لیے ''ن'' کی علامت نسخہ اور ''ع'' کی علامت مصرعہ کے لیے مستعمل ملتی ہے۔اسی طرح بعض دیگر اختصارات بھی اہم ہیں جیسے ''ق م'' زمانہ قبل مسیح کے لیے، ''م'' متوفی کے لیے، ''پ'' پیدائش کے لیے ''مص'' مصنف کے لیے، ''تعہ'' تعالیٰ کے لیے، ''بسمہ'' باسمہ یا بسم اللہ کے لیے، ''حمدلہ'' الحمد للہ کے لیے، ''الخ'' الیٰ آخر کے لیے، ''ح'' حینئذ (اس وقت،اب تک) کے لیے، ''وصہ'' وصول شد کے لیے وغیرہ۔

۵۔ قدیم متون میں رموزِ اوقاف کی قرأت سے زیادہ ان کے تعین کا مسئلہ اہم ہے۔ بہت سے قدیم متون میں یہ روش عام ہے کہ جملوں کے جملے بلا علاماتِ اوقاف کے درج ہیں۔ کس جگہ کس علامت کا محل ہے۔۔ یہ فیصلہ کرنا مدون کے لیے ایک امتحان بن جاتا ہے۔وقفہ،سکتہ،رابطہ،تفصیلیہ،قوسین، واوین اور دیگر اوقاف کی تحریری علامتیں (جزوی ترمیم کے ساتھ) آج بھی وہی ہیں جو قدیم اُردو متون میں ملتی ہیں تاہم ان کے استعمال میں کسی خاص التزام کے نہ ہونے اور بے احتیاطی و عدم توجہی کی وجہ سے قرأت مختلف و متضاد رستوں پر چل نکلتی ہے۔

۶۔ قدیم متون میں اعراب کا استعمال بہت کم ملتا ہے۔حتیٰ کہ خالص عربی عبارات بھی اعراب سے تہی ہیں۔اُردو میں اعرابی نظام کا معاملہ آج بھی ایک حل طلب مسئلہ ہے اور جدید متون کی قرأت میں بھی علتی آوازوں کے معروف یا مجہول ہونے کا فیصلہ قیاساً ہی ہوتا ہے۔(۵)قدیم متون میں بھی تحریر کے سیاق وسباق کے مطابق ممکنہ اعرابی صورت کا تعین مدون کے لیے کٹھن مرحلہ ہوتا ہے اوراس حوالے سے قرأت میں معمولی سی لغزش معنی کو کچھ کا کچھ کر دیتی ہے۔

ان چیدہ مسائل کے ساتھ صفحات کی ترتیب کے لیے درج اشارے، حاشیے کے لیے بین المتن رموز،عنوانات کے لیے اختصاصی طریقے،متن کے ایک حصے کو دوسرے سے جدا وممتاز کرنے کے آرائشی و غیر آرائشی نقوش ونشانات وغیرہ بھی قدیم متون کی قرأت میں غور طلب ہوتے ہیں۔ ان رموزِ تحریر سے شناسائی اور معیاری و تصریفی صورتوں سے واقفیت کے بغیر قدیم متون کی قرأت و تدوین کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ فی زمانہ ان رموز کی تفہیم و آگہی اردو تحقیق و تدوین کے اعلیٰ تدریسی مراحل میں یقینی بنائی جائے۔ تدریسِ اصولِ تدوین میں رسم الخط کی قدیم صورتوں اور پیچیدگیوں کی بحث میں ان رموز کے حوالے سے ایک بحث کا اضافہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ساتھ ہی ساتھ مشینی کتابت میں ان علامات کی لکھت کا اہتمام بھی اہم ہے۔صرف اسی صورت میں جدید محققین و مدونین کے ہاں اردو کے کلاسیکی علمی و ادبی سرمائے کی بہتر قرأت کی توقع ،خواب سے حقیقت کا روپ دھار سکتی ہے۔

حواشی

۱۔ اُردو رسم الخط میں بنیادی تصویر نقطوں اور حرکت کی علامتوں سے وابستہ ہے۔ نقطوں کی کمی بیشی یا متعین سے زیادہ ملاپ یا متعینہ جگہ سے دوری وقربت قرأت میں ابہام و پیچیدگی پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح حرکات کی عدم لکھت یا مبہم وغیر متعینہ لکھت اصل تصویری شناخت کو متاثر کر دیتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اُردو رسم الخط میں بنیادی تصویری علامتوں کا مختلف مواقع پر مختلف اتصال و ملاپ ہے۔ یہ اتصال اگر صحت و درستی کے ساتھ نہ ہو تو مرکب تصویر ابہام کا باعث بنتی ہے۔ اُردو کے اکثر تحریری تصویریے مہین شوشوں اور خاص گولائیوں کے تحت اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ اگر شوشوں کی پیشکش درست طور پر نہ ہو یا مطلوبہ گولائیوں اور طوالت و اختصار کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو تو تحریر کی قرأت میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قدیم قلمی متون کی قرأت میں رسم الخط کے حوالے سے یہ پیچیدگیاں عام ہیں۔ خاص طور خطی اختصار والے متون میں یہ مسائل کہیں زیادہ ہیں۔

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اصولِ تحقیق و ترتیبِ متن، از ڈاکٹر تنویر احمد علوی، شعبہ اُردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۷۷ء/ سنگت پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء۔ متنی تنقید، از ڈاکٹر خلیق انجم، خرام پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۶۷ء/ انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء (نیا ایڈیشن)۔ اُردو میں اصولِ تحقیق، مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش (دو جلدیں) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، از رشید حسن خان، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ، انڈیا، ۱۹۷۸ء۔ مبادیاتِ تحقیق از عبدالرزاق قریشی، ادبی پبلشرز، بمبئی، انڈیا، ۱۹۶۸ء۔ اُردو تحقیق مرتبہ ڈاکٹر عطش درانی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۰۳ء۔ ادبی تحقیق کے اصول، از ڈاکٹر تبسم کاشمیری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۲ء۔ تحقیق کا فن، از ڈاکٹر گیان چند، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

۳۔ عربی ارقام کے حوالے سے پروفیسر سید محمد سلیم لکھتے ہیں: بنی بویہہ کی حکمرانی کے دور (۱۰۵۵-۹۳۲ء) میں دیوان استیفاء (وزارت خزانہ) کے کتّاب (اہل کار) اور حسّاب (حساب دان) مالی رقومات کو الفاظ میں لکھتے تھے۔ کثرت استعمال سے ان الفاظ نے رمزیہ شکلیں اختیار کر لیں۔ جن کو دفتر کے اہل کار تو بخوبی پڑھ لیتے تھے لیکن عوام ان کو نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اہل دفتر کو یہ طریقہ پسند آیا۔ انھوں نے اس میں باقاعدگی پیدا کر لی۔ ان مرموز شکلوں سے مکمل گنتی لکھی جاتی تھی۔ ان کو عربی ارقام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آل بویہ اور سلاجقہ کے دور حکومت میں یہ طریقۂ حساب ایران اور عرب میں رائج ہو گیا۔ آل غزنیہ کی حکومت کے دور میں یہ طریقہ ہندوستان میں بھی رائج ہو گیا۔ اسلامی دور میں تمام حسابات عربی ارقام ہی میں لکھے جاتے تھے۔ آج سے نصف صدی قبل تک خانگی حسابات بھی اسی طریقے سے لکھے جاتے تھے۔ انگریزوں کی حکومت کے بعد یہ طریقۂ حساب متروک ہوتا چلا گیا۔ (اُردو رسم الخط، ص ۵۱-۵۰) رقوم کے اندراج کے لیے مروج علامتیں فی زمانہ مشینی کتابت میں نہیں آتیں۔ ضروری ہے کہ ان کی پڑھت و تفہیم کا مناسب انتظام ہو۔ کتاب مذکور میں اس حوالے سے کوشش کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: اُردو رسم الخط، از پروفیسر سید محمد سلیم، مقتدرہ قومی زبان، کراچی، ۱۹۸۱ء

۴۔ نمونوں اور امثلہ کے لیے ملاحظہ ہو: اُردو رسم الخط، محولہ بالا، صفحہ ۵۳و۵۴

۵۔ اُردو میں مصوتی آوازوں کے لیے صرف ایک حرف ''الف'' ہے۔ باقی تمام تر علتی ادائیگیاں اعراب کے رہینِ منت ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے لفظوں میں: ''اُردو میں مصوتوں (حروف علت وحرکات) کے لیے بہت کم حروف ہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایک ہی حرف ہے یعنی الف۔ اس لیے مصوتوں کے تلفظ کو صحیح طور پر املا کی گرفت میں لانے کے لیے اعراب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ (املا نامہ، ص ۹۸) اس صورت حال کے پیشِ نظر ہندوستان و پاکستان میں اُردو کے مقتدر اداروں نے چند علامات کے استعمال پر اتفاق کیا ہے اور اب یہ علامات اُردو متون میں بتدریج رائج ہو رہی ہیں تاہم کلی طور پر علتی آوازوں کی ادائیگی تحریر میں اب بھی شفاف و سہل نہیں۔ اعراب کے حوالے سے مجوزہ سفارشات کے لیے دیکھیے: املا نامہ از گوپی چند نارنگ، (سفارشات املا کمیٹی، ترقی اردو بورڈ، بھارت)، سرحد اکیڈمی، ایبٹ آباد، ۱۹۹۲ء/ اعجاز راہی، سفارشات املا و رموز اوقاف، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء/ اُردو املاء رموز اوقاف مرتبہ، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان ۱۹۸۶ء